ZAUQ-E-TAHQEEQ
www.Zauq-e-Tahqeeq.com
editor@zauq-e-tahqeeq.com
ISSN PRINT: 2789-8776
ISSN ONLINE:2789-8784
Volume.8,Issue No.1 (2026)
(January to March)

ناول جندر میں ولی کے کردار کا فرائیڈ کی نفسیاتی تعبیرات کی روشنی میں تجزیاتی مطالعہ

An Analytical study of the character of Wali in the novel 'Jandar' in light of Freud's psychological theories

ڈاکٹر سحر مبین
لیکچرار، شعبہ اُردو، جی سی ویمن یونیورسٹی، سیالکوٹ
ڈاکٹر رفعت چودھری
لیکچرار، شعبہ اُردو، جی سی ویمن یونیورسٹی، سیالکوٹ

Dr. Sahar Mubeen
Lecture, Department of Urdu, GC Woman University, Sialkot
Dr.Rifat Choudhry
Lecture, Department of Urdu, GC Woman University, Sialkot

Article Details
Received:
February 28, 2026
Accepted:
March 11, 2026
Online Published:
March 30, 2026

Copyright: © 2023 by the authors. This is an open-access article distributed under the terms and conditions of the Creative Common Attribution (CC BY) license

Abstract: This study presents a comprehensive psychoanalytic evaluation of Wali Khan, the protagonist of Akhtar Raza Saleemi's critically acclaimed Urdu novel Jandar (2017), utilizing the foundational frameworks established by Sigmund Freud. Set against the backdrop of a fading rural civilization, Jandar serves as both a cultural elegy and a deep psychological exploration of human alienation. This research examines how Wali Khan's behavioral anomalies, profound solitude, acute consciousness of mortality, and deep-seated emotional fixation on a traditional watermill (jandar) stem from unresolved childhood traumas and subconscious defense mechanisms. By applying Freud's structural model of the psyche—comprising the Id, Ego, and Superego this paper demonstrates how the watermill transcends its material form to become a psychological extension of Wali's unconscious mind.

Key words: psychoanalytic evaluation, Sigmund Freud, traditional watermill, psychological regression, cultural narcissism

اختر رضا سلیمی اُردو ادب کے ان معدودے چند معاصر ادیبوں میں شمار ہوتے ہیں جنھوں نے اپنی تخلیقی بصیرت سے روایت اور جدت کے درمیان ایک مضبوط پل تعمیر کیا ہے۔ ۱۶ جون ۱۹۷۴ کو خیبر پختونخوا کے ضلع ہری پور کے ایک گاؤں 'کاکوہ' میں پیدا ہونے والے اس فنکار کے خون میں اس خطے کی تاریخ اور لوک دانش رچی بسی ہے، جس کا اظہار ان کی ہر تحریر سے ہوتا ہے۔ ان کے ادبی سفر کا آغاز نوے کی دہائی میں شاعری سے ہوا، جہاں انھوں نے اپنی غزلوں اور نظموں کے ذریعے ایک ایسا لہجہ متعارف کروایا جس میں کوہساروں کی سختی بھی تھی اور چشموں کی روانی بھی۔ انھوں نے شاعری کا باقاعدہ آغاز ۱۹۹۷ء میں کیا اور بہت جلد شاعری کے میدان میں اپنا سکہ جمالیا۔ اختر رضا سلیمی ایسے لوگوں میں سے ایک جن کے ابتدائی شعر ان کی پہچان بن گئے۔ ان کا پہلا شعری مجموعہ اختراع ۲۰۰۳ء میں جبکہ دوسرا شعری مجموعہ ارتفاع ۲۰۰۸ء میں منظر عام پر آیا۔ یہ دونوں مجموعے ان کی غزلیات پر مشتمل

ہیں۔ ۲۰۱۴ء میں ان کی نظموں کا مجموعہ خواب دان کے نام سے منظر عام پر آ چکا ہے۔ ۲۰۰۹ء میں ان کے یہ دونوں شعری مجموعے خوشبو مرے ساتھ چل پڑی ہے کے نام سے یکجا صورت میں شائع ہو چکے ہیں۔ اس کے علاوہ ان کے تین ناول جاگے ہیں خواب میں ، جندر اور لواخ بھی شائع ہو چکے ہیں۔ جاگے ہیں خواب میں اسلام آباد کے عقب میں واقع مارگلہ کے پہاڑی سلسلے کے دوسری طرف بہنے والے دریائے ہرو کے آس پاس رہنے والوں کی زندگیوں کا احاطہ کرتا ہے۔ ناول کا نمایاں رنگ آواگون یا تناسخ کا نظریہ ہے، جس کے تحت ناول کا مرکزی کردار زمان مختلف ادوار میں مختلف شناختیں لے کر پیدا ہوتا ہے۔

یہ ادوار اشوکِ اعظم کے عہد سے لے کر انیسویں صدی میں انگریزوں کی عمل داری اور پھر سے وہاں سے ہوتے ہوئے جدید زمانے تک سفر کرتے ہیں۔ اس ناول کے اختر صاحب نے اپنے دوست وصی حیدر کی مدد سے ۱۰۱ اپینٹنگز کے کور جو ایک دوسرے سے یکسر مختلف ہیں بنا کر ورلڈ ریکارڈ قائم کیا۔ ۲۰۱۷ میں انھوں نے ایک اور ناول جندر لکھا جو اپنی مثال آپ ہے۔ شعور کی رو میں بہتا ہوا یہ ناول، خیالات کا ایک دائرہ مکمّل کر کے اپنے نقطۂ آغاز پر آ کر ختم ہو جاتا ہے۔ اس کا مرکزی کردار ولی خان (اپنی دانست میں) بستر مرگ پر لیٹا، موت کا منتظر ہے، خیالات کے گھیرے میں بار بار دور جاتا اور یوں ایک خاص مقام پر ٹھہرا ہوا وہ وقت کے سنگ ہائے میل ماپتا واپس اسی نقطے پر پلٹ پلٹ کر اپنی کہانی کو مکمل کرتا ہے۔ جندر کو شائع ہوتے ہی جو پزیرائی ملی وہ اُردو کے کم کم ناولوں کے حصے میں آئی۔ یہ ناول پشاور یونیورسٹی، پشاور کے بی ایس کے نصاب میں جب کہ بے نظیر ویمن یونیورسٹی، پشاور اور انقرہ یونیورسٹی ترکی کے ایم ایس کے نصاب میں بطور نصاب پڑھایا جا رہا ہے۔ ان کا تیسرا ناول لواخ ۲۰۲۳ میں منظر عام پر آیا۔ جس کی کہانی ۱۸۵۷ میں مقامی قبائل کی طرف مری پر قبضہ کیے جانے کے منصوبے کے گرد گھومتی ہے۔ ڈاکٹر ناصر عباس نیر جو اُردو کے صفِ اول کے نقاد ہیں۔ وہ لکھتے ہیں:

> "جندر" مٹتی اور دھندلی ہوتی ہوئی دیہی تہذیب کے لیے ایک خوبصورت ماتم اور علامتی مرثیہ ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ اختر رضا سلیمی نے پن چکی (جندر) کو بیانیے کے تانے بانے میں اتنے سلیقے سے بُنا ہے کہ یہ محض آٹا پیسنے کا آلہ نہیں رہتی بلکہ ایک زندہ تہذیبی گواہ بن جاتی ہے۔"(۱)

اُردو فکشن کی تاریخ میں بیسویں صدی کے وسط سے ہی نفسیاتی دبستان نے ایک ایسی گہری جگہ بنالی تھی جس نے محض سماجی حقیقت نگاری کے بجائے انسانی ذہن کی داخلی تہوں کو کریدنے پر توجہ مرکوز کی۔ اختر رضا سلیمی کا ناول "جندر" اسی تسلسل کی ایک جدید اور توانا کڑی ہے، جو نہ صرف ایک مٹتی ہوئی تہذیب کا نوحہ پیش کرتا ہے بلکہ انسانی نفسیات کے ان بھیدوں کو بھی کھولتا ہے جو عام طور پر شعور کی گرفت میں نہیں آتے۔ سگمنڈ فرائڈ کے نظریات، جنھوں نے انسانی رویوں، خوابوں اور لاشعوری خواہشات کی تشریح کے لیے نئے پیمانے وضع کیے، اس ناول کے گہرے مطالعے کے لیے ایک جامع فریم ورک فراہم کرتے ہیں۔ "جندر" میں ولی خان کا کردار، اس کی تنہائی، موت کا غیر معمولی شعور، اور ایک بے جان مشین (جندر) کے ساتھ اس کی شدید جذباتی وابستگی دراصل ان لاشعوری صدمات اور دفاعی میکانزم کا اظہار ہے جن کا ذکر فرائڈ نے اپنی تحقیقات میں کیا ہے۔ یہ مطالعہ اس بات کا احاطہ کرے گا کہ کس طرح ایک جندروئی کی زندگی، اس کے ماضی کے صدمات اور اس کی موت کا انتظار فرائڈی تحلیل نفسی کے مختلف گوشوں، جیسے کہ لا، انا، فوق الانا، اور جبلتِ مرگ (Thanatos) سے جڑا ہوا ہے۔

اُردو ادب میں نفسیاتی تنقید اور فکشن کا باہمی ربط عالمی فکری تحریکوں کے مرہونِ منت ہے۔ سگمنڈ فرائڈ، جس نے انیسویں صدی کے آخر میں انسانی ذہن کی سہ رخی ساخت (شعور، تحت الشعور اور لاشعور) متعارف کرائی، اُردو ادیبوں کے لیے ایک بڑا محرک ثابت ہوا۔ اُردو میں نفسیاتی حقیقت نگاری کے ابتدائی نقوش ہمیں مرزا ہادی رسوا کے ہاں ملتے ہیں، لیکن اس رجحان کو شعوری طور پر سعادت حسن منٹو، عزیز احمد، عصمت چغتائی اور ممتاز مفتی جیسے قلم کاروں نے پروان چڑھایا۔ ان ادیبوں نے فرائڈ کے جنسی نظریات اور لاشعوری محرکات کو بنیاد بنا کر انسانی کرداروں کی وہ گتھیاں سلجھائیں جو اس سے قبل روایتی اخلاقیات کے پردے میں چھپی ہوئی تھیں۔ فرائڈ کے نظریات کی اُردو فکشن میں شمولیت محض ایک فیشن نہیں تھی بلکہ یہ اس سائنسی طرزِ فکر کا حصہ تھی جس کے تحت ادیب انسان کو اس کی جبلتوں کے پس منظر میں سمجھنا چاہتا تھا۔ اختر رضا سلیمی نے "جندر" میں اس روایت کو ایک نئی جہت عطا کی ہے، جہاں نفسیات کے ساتھ ساتھ وجودی اور تہذیبی سوالات بھی سر اٹھاتے ہیں۔ ولی خان کا کردار محض ایک انفرادی وجود نہیں بلکہ ایک ایسی نفسیاتی اکائی ہے جس میں صدیوں پرانی جبلتیں اور جدید دور کے صدمات یکجا ہو گئے ہیں۔

سگمنڈ فرائڈ کے نظریات کو سمجھنے کے لیے اس کے شخصیت کے ساختی ماڈل کو مدنظر رکھنا ضروری ہے، جو Id، انا Ego، اور فوق الانا Superego پر مشتمل ہے۔ فرائڈ کے مطابق، انسانی شخصیت کا زیادہ تر حصہ لاشعور میں چھپا ہوتا ہے، جو برفانی تودے (Iceberg) کی طرح سطحِ آب کے نیچے موجود رہتا ہے اور ہماری زندگی کے بڑے فیصلوں پر اثر انداز ہوتا ہے۔ ناول "جندر" کے تناظر میں، جندر (پن چکی) محض ایک مادی شے نہیں بلکہ ولی خان کے لاشعور کا ایک تسلسل ہے۔ ولی خان کا اپنی ماں کو نہ دیکھ پانا، کیونکہ وہ اس کی پیدائش کے وقت فوت ہو گئی تھی، اس کی شخصیت میں ایک ایسا خلا پیدا کرتا ہے جسے وہ جندر کی مسلسل آواز (کوک) سے بھرنے کی کوشش کرتا ہے۔ فرائڈی اصطلاح میں، یہ "رجعت" (Regression) کا عمل ہے جہاں فرد اپنی محرومیوں کا ازالہ کسی ایسی شے سے کرتا ہے جو اسے تحفظ کا احساس دلائے۔ ولی خان کے لیے جندر کی کوک اس لوری کا متبادل بن جاتی ہے جو اسے ماں سے نہیں مل سکی تھی

-

> Regression a defense mechanism where the ego reverts to an earlier stage of development and childlike behaviors to manage anxiety, stress, or conflict. (2)

ایک دفاعی طریقہ کار جہاں انا ترقی کے ابتدائی مرحلے اور بچوں کی طرح کے طرز عمل میں اضطراب، تناؤ یا تنازعات کو سنبھالنے کے لیے واپس لوٹ جاتی ہے۔ ڈاکٹر سمیرا گل اس ضمن میں لکھتی ہیں:

> " ناول "جندر" اکیسویں صدی کے اُردو ناول کا ایک اہم شاہکار ہے جو عصری معاشرے کی حقیقی عکاسی کرتا ہے۔ ان کا ماننا ہے کہ تکنیکی سہولیات نے انسانی زندگی کو آسان تو بنا دیا ہے لیکن مادی ترقی کے زیرِ اثر انسان تنہائی اور بیگانگی کی دلدل میں دھنس گیا ہے

۔ یہ ناول ان معاشرتی اور تمدنی اقدار کو بڑی کامیابی سے پیش کرتا
ہے جنہیں موجودہ نسل بھولتی جارہی ہے۔"(۳)

فرائڈ کے سہ رخی ماڈل کو "جندر" کے کرداروں پر اس طرح لاگو کیا جاسکتا ہے کہ ہر کردار انسانی جبلت کے ایک خاص حصے کی نمائندگی کرتا ہوا نظر آتا ہے لا (Id): ولی خان کے وہ قدیم جذبات اور جبلتیں جو اسے جندر کے قریب رکھتی ہیں۔ اس کی وہ خواہش کہ جندر سدا چلتا رہے اور اس کی گونج اس کے کانوں کو سہلاتی رہے، لذت کے اصول (Pleasure Principle) کی عکاسی کرتی ہے۔

Id is a part of your unconscious mind that holds all your basic urges, needs, and desires. It works on the **"pleasure principle." (4)**

فرائیڈ کے مطابق 'لا' شخصیت کا وہ قدیم ترین حصہ ہے جو مکمل طور پر لاشعور میں ہوتا ہے اور لذت کے اصول (Pleasure Principle) پر عمل پیرا ہوتا ہے۔ ولی خان کی 'لا' کا مرکز کوئی انسانی وجود نہیں، بلکہ جندر (پن چکی) کی آواز اور اس کا وجود ہے۔ اس کا جندر سے لگاؤ اتنا شدید ہے کہ اسے "غیر فطری محبت" قرار دیا گیا ہے۔ نفسیاتی طور پر یہ لگاؤ اس کے بچپن کی ان محرومیوں کا ازالہ ہے جو اسے اپنی ماں کی جلد وفات کی وجہ سے حاصل ہوئیں۔ ولی خان جندر کے پاٹوں کی رگڑ اور اس کی مسلسل آواز میں وہ سکون تلاش کرتا ہے جو ایک بچہ اپنی ماں کی آغوش میں محسوس کرتا ہے۔ یہ ایک طرح کا 'فتش ازم' (Fetishism) ہے جہاں ایک بے جان شے کو تمام تر جذباتی توانائی کا مرکز بنا دیا جاتا ہے۔ انا (Ego): ولی خان کا وہ حصہ جو سماج اور جندر کے درمیان توازن قائم کرنے کی کوشش کرتا ہے، لیکن وہ اس میں اکثر ناکام رہتا ہے کیونکہ اس کا لاشعوری لگاؤ اسے حقیقت پسندی سے دور کر دیتا ہے۔

Ego balances the selfish demands of the id with the strict rules of the superego." (5)"

'انا' کا کام بیرونی دنیا کی حقیقتوں اور 'لا' کی خواہشات کے درمیان توازن پیدا کرنا ہے۔ ولی خان کے معاملے میں اس کی 'انا' مسلسل کمزور ہوتی دکھائی دیتی ہے۔ جب گاؤں میں مشینی جندر لگ جاتے ہیں اور قدیم پن چکی متروک ہونے لگتی ہے، تو ولی خان کی انا اس تلخ حقیقت کو قبول کرنے سے انکار کر دیتی ہے۔ وہ اس تبدیلی کو ایک "تہذیبی موت" کے طور پر دیکھتا ہے کیونکہ اس کی اپنی شناخت اس جندر سے وابستہ ہے۔ فرائیڈ کے مطابق جب انا حقیقت کا مقابلہ نہ کر سکے تو فرد "رجعت" (Regression) کا شکار ہو جاتا ہے۔ ولی خان کا بستر مرگ پر لیٹ کر بار بار ماضی کے فلیش بیکس میں جانا دراصل اس کی انا کا وہ دفاعی طریقہ ہے جس کے ذریعے وہ حال کی بے معنویت سے بچنا چاہتا ہے۔ محمد حمید شاہد معروف افسانہ نگار و فکشن نقاد نے اُردو فکشن کے سفر میں:

"جندر" کو ایک اہم سنگ میل اور گزشتہ ستر برسوں کے بہترین
ناولوں کی کہکشاں کا ایک چمکتا ہوا ستارہ قرار دیا ہے۔ ان کا ماننا ہے
کہ اس ناول کا انوکھا اور متاثر کن اسلوب قاری کو اپنی گرفت میں
لے لیتا ہے اور اس پر تفصیلی تنقیدی بحث کی جانی چاہیے۔"(۶)

فوق الانا (Superego):　　ولی خان کا ضمیر اور اس کی آبائی اقدار، جو اسے یہ احساس دلاتی ہیں کہ جندر کا رکنا اس کے اسلاف کی توہین ہے۔ دوسری طرف، اس کا بیٹا راحیل اس کے لیے ایک ایسی آواز ہے جو اسے "فرسودہ" روایات چھوڑ کر جدیدیت اپنانے کا کہتی ہے، جو ولی خان کے اندر ایک نفسیاتی تناؤ پیدا کرتی ہے۔

> "سات سال پہلے جب میرا بیٹا راحیل گاؤں کی مسجد کے خادم کو بجلی سے چلنے والی آٹا مشین لگانے کے لیے مالی معاونت فراہم کر رہا تھا تو اس کے سان گمان میں بھی نہیں ہو گا کہ وہ ایک تہذیب کے انہدام میں حصہ ڈالنے کے ساتھ ساتھ، اپنے باپ کی موت کا بھی سامان کر رہا ہے۔ وہ تو اس بات سے بھی بالکل بے خبر ہے اور میری موت کے بعد ہمیشہ بے خبر ہی رہے گا۔"(۷)

ولی خان کی 'فوقِ انا' اس کے آباؤ اجداد کی روایات اور جندر کی وراثت سے تشکیل پائی ہے۔ اسے یہ شدید احساسِ جرم ستاتا ہے کہ وہ اپنے باپ کی وراثت کو جدیدیت کے حملے سے نہیں بچا سکا۔ یہ فوقِ انا ہی ہے جو اسے اپنی بیوی اور بچوں سے دور کر دیتی ہے، کیونکہ اس کے ضمیر کے مطابق اس کی پہلی وفاداری اس مٹتی ہوئی تہذیب (جندر) کے ساتھ ہے۔ سائرہ صدف اور ڈاکٹر عظمیٰ شوکت ان محققین کے مطابق،

> "جندر دیہی زندگی میں آنے والی تبدیلیوں اور دیہی ترکِ سکونت (دیہات سے شہروں کی طرف ہجرت) کے سماجی مسائل کا احاطہ کرتا ہے۔ ناول کے مرکزی کردار ولی خان اور اس کے بیٹے کے ذریعے دو نسلوں کے درمیان بڑھتے ہوئے فکری خلیج (Generation Gap) کو بڑی عمدگی سے دکھایا گیا ہے(۸)

ولی خان کی شخصیت اور بچپن کا صدمہ:

فرائڈ کے مطابق، بچپن کے پہلے چند سال انسانی شخصیت کی بنیاد رکھتے ہیں۔ ولی خان کی پیدائش کے وقت اس کی ماں کا انتقال کر جانا ایک ایسا صدمہ تھا جس نے اس کے شعور کی تشکیل سے پہلے ہی اس کے لاشعور میں ایک دائمی اداسی بھر دی تھی۔ وہ کہتا ہے کہ اس نے زندگی کے رنگوں کا شعور بعد میں پایا، جبکہ موت کے سیاہ رنگ کا شعور اسے پہلے حاصل ہو گیا تھا۔ نفسیاتی تجزیہ یہ بتاتا ہے کہ ولی خان کے لیے "جندر" دراصل اس کی ماں کا متبادل (Surrogate Mother) بن چکا ہے۔ جندر کے پاٹوں کی رگڑ اور پانی کا شور اس کے لیے وہی سکون پیدا کرتا ہے جو ایک بچہ ماں کی کوکھ میں محسوس کرتا ہے۔ فرائڈ نے اس کیفیت کو "انفوٹائل سیکسویلٹی" (Infantile Sexuality) اور ماں کے ساتھ گہرے تعلق کے تناظر میں بیان کیا ہے، جہاں بچہ اپنی لذت کے مراکز کو تلاش کرتا ہے۔ ولی خان کا گاؤں سے کٹ کر ندی کنارے جندر میں مقیم ہو جانا اس کی اسی لاشعوری خواہش کا اظہار ہے کہ وہ دنیا کی پیچیدگیوں سے بھاگ کر اس "ابتدائی تحفظ" کی جگہ واپس جانا چاہتا ہے جسے فرائڈ نے ''Womb کی طرف واپسی کی خواہش سے تعبیر کیا ہے۔ اب کہانی کی طرف آتے ہیں۔ ولی خان پیدا ہوا تو اس کی والدہ انتقال کر گئیں۔ اس نے دسویں جماعت پاس کی تو والد بھی چل بسے۔ جندر چلانے کی ذمہ داری ولی خان پر آن ٹکی۔ ولی خان ایسا کردار ہے جو تنہائی پسند اور کم سخن ہے۔ جندر اس کی کمزوری ہے اور اس کی شدید

خواہش ہے کہ یہ سدا گھومتا رہے تا کہ اس کی سریلی گونج اسے راحت بخشتی رہے اور اس کے کانوں کو سہلاتی رہے۔ لیکن جب یہ چونگ کے بغیر خالی گھومنا شروع کر دیتا ہے تو اس کی کوک اداس ہو جاتی ہے اور جب وہ اداس ہوتی ہے تو ولی خان بھی سہم جاتا ہے۔ پروفیسر علی رفاد فقیحی (ماہرِ لسانیات و نقاد) کے مطابق،

> جندر" مٹتی ہوئی دیہی تہذیب کا ایک پُرجوش علامتی مرثیہ ہے۔
> انہوں نے ناول میں موجود لسانی اختراعات اور ہندکو، پہاڑی اور
> پوٹھوہاری الفاظ کے اُردو بیانیے میں ماہرانہ انضمام کو سراہا ہے جو
> اس ناول کو فنی اعتبار سے ایک ادبی جوہر بناتا ہے۔(۹)

جب وہ سوتا ہے تو وہ پانی کے بہاؤ کو کم کر کے اناج کی بوری لگا دیتا ہے تا کہ اس کے اٹھنے تک یہ چلتا رہے اور وہ پر سکون سویا رہے۔ پھر ولی خان کی زندگی میں اس کے چچا کی بیٹی حاجرہ داخل ہوتی ہے۔ وہ ولی خان کو بچپن سے ہی چاہتی ہے۔ حاجرہ گاؤں کی پہلی میٹرک پاس لڑکی ہے اور چھ بھائیوں کی اکلوتی بہن ہے۔ ولی خان اور حاجرہ دونوں کو کتاب بینی کا شوق ہے اور انہوں نے مختلف موضوعات پر بے شمار کتب کا مطالعہ کر رکھا ہے۔ حاجرہ کی ولی خان کو پسند کرنے کی سب سے بڑی وجہ اس کی آزادی ہے۔ وہ اسے زندگی کے تمام بکھیڑوں اور بندھنوں سے آزاد سمجھتی ہے۔ لیکن جب شادی کے بعد اسے انکشاف ہوتا ہے کہ ولی خان تو جندر کی گونج کا قیدی ہے اور اس کو سنے بغیر اسے نیند نہیں آتی تو وہ علیحدگی اختیار کر لیتی ہے۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ولی خان بوڑھا ہو جاتا ہے اور پینتالیس دن پہلے اس نے جندر میں آخری چونگ انڈیلی تھی۔ جب اس نے آٹا ڈالنے کے لیے بوری کی طرف ہاتھ بڑھایا تھا تو وہ یہ سوچ رہا تھا کہ یہ جندر اور اس کی زندگی کی آخری چونگ ہے۔ جندر بند ہونے کی وجہ گاؤں میں لگنے والی برقی آٹا چکی ہے جس پر لوگ زیادہ اعتبار کرنے لگے ہیں۔ یہ چکی کسی غیر نے نہیں بلکہ اس کے بیٹے راحیل نے مسجد کے خادم کو لگا کر دی ہے تا کہ چونگیں جندر تک نہ پہنچ سکیں اور اس کا باپ جندر کو چھوڑ کر اس کے ساتھ شہر جانے پر مجبور ہو جائے۔ وہ باپ کے اس کام کو ناپسند کرتا ہے۔ وہ اس احساس سے نابلد ہے کہ یہ جندر اس کے باپ کی زندگی ہے اور اس کی سریلی گونج ہی اسے زندہ رکھے ہوئے تھی۔ دیگر ادبی اکابرین (مستنصر حسین تارڑ، افتخار عارف، فتح محمد ملک، اسد محمد خان) اُردو کے ان نامور تخلیق کاروں اور دانشوروں نے متفقہ طور پر اختر رضا سلیمی کی فکشن نگاری اور کردار نگاری کو معاصر اُردو ناول کا ایک اہم موڑ قرار دیا ہے، جس نے مٹتی ہوئی تہذیبی اقدار کو ہمیشہ کے لیے محفوظ کر دیا ہے۔

> "میرے بعد یہاں آنے والا پہلا شخص کون ہو گا؟ یہ سوال
> میرے ذہن میں پہلی بار آج سے پینتالیس دن پہلے اس وقت
> ابھرا تھا، جب میں نے اپنی اور جندر دونوں کی زندگی کی آخری
> چونگ پیس کر، گھومتے پاٹ کے ساتھ لگی لکڑی کی وہ کیل کھینچی
> تھی، جس کے کھینچنے سے جندر کا اوپر والا پاٹ، اپنی جگہ تھوڑا سا
> اوپر اٹھ کر معمول سے دوگنی رفتار سے گھومنا شروع کر دیتا ہے اور
> اس کی سریلی گونج یک دم ایک اداس کوک میں بدل جاتی
> ہے۔"(۱۰)

فرائڈ نے اپنے بعد کے کام میں دو بنیادی جبلتوں کا ذکر کیا: ایروس (زندگی کی جبلت) اور تھاناٹوس (موت کی جبلت)۔ تھاناٹوس وہ قوت ہے جو انسان کو تباہی، خود شکنی اور بالآخر مادی وجود کے خاتمے کی طرف لے جاتی ہے تاکہ وہ دوبارہ اس غیر نامیاتی حالت میں واپس جا سکے جہاں سے وہ آیا تھا۔ ناول "جندر" میں ولی خان کا کردار جبلتِ مرگ کی ایک جیتی جاگتی تصویر ہے۔ ناول کا آغاز ہی ولی خان کے اس اعلان سے ہوتا ہے کہ وہ ۴۵ دن بعد مر جائے گا۔ فرائیڈ نے اپنے نظریے میں "جبلتِ موت" کا ذکر کیا ہے، جو انسان کو دوبارہ غیر نامیاتی حالت (عدم) کی طرف لے جانے کی خواہش ہے۔ ولی خان کی زندگی میں جب جندر خاموش ہوتا ہے، تو اس کی جبلتِ زندگی (Eros) دم توڑ دیتی ہے اور جبلتِ موت اس پر حاوی ہو جاتی ہے۔ اس کا موت کا انتظار کوئی خوفناک تجربہ نہیں، بلکہ ایک ایسا "خاموش انتظار" ہے جس میں وہ سکون محسوس کرتا ہے۔ فرائیڈ کے نزدیک یہ مالیخولیا کی وہ کیفیت ہے جہاں فرد اپنی ذات کو کسی گمشدہ شے (جندر) کے ساتھ اتنا پیوست کر لیتا ہے کہ اس شے کی موت اسے اپنی موت لگنے لگتی ہے۔ نامور شاعر اور نقاد محمد سلیم الرحمان نے اس ناول کو تجربی اور حقیقت پسندانہ قرار دیا ہے۔ ان کے مطابق:

> "ناول نگار نے ماضی، حال اور مستقبل کے دھاگوں کو باہم دگر بڑی خوبصورتی سے پرویا ہے اور اس میں حقیقت کا کوئی بھی پہلو سراسر خیالی محسوس نہیں ہوتا"۔(۱۱)

اس کا یہ اعتراف کہ "موت کہیں باہر سے وارد نہیں ہوتی، وہ زندگی کی سرشت میں شامل ہوتی ہے" فرائڈ کے اس نظریے کی مکمل توثیق ہے کہ ہر زندہ شے کے اندر مرنے کی ایک لاشعوری تڑپ موجود ہوتی ہے۔ ولی خان اپنی زندگی کو ایک ایسے جندر کی طرح دیکھتا ہے جس کی آخری چونگ پیسی جا چکی ہے۔ اس کے لیے موت کوئی خوفناک شے نہیں بلکہ ایک حتمی سکون ہے جو زندگی کے تمام ہنگاموں کو جذب کر لیتا ہے۔ اس فلسفے کی گہرائی درج ذیل پہلوؤں سے واضح ہوتی ہے. موت کا رنگ: ولی خان کے نزدیک موت کا رنگ سیاہ ہے، جو تمام رنگوں کو مٹا دیتا ہے۔ یہ لاشعور کے اس اتھاہ اندھیرے کی نمائندگی کرتا ہے جس میں تمام دبائی ہوئی خواہشات اور یادیں دفن ہوتی ہیں۔

> "زندگی کے ہزار رنگ ہیں مگر موت کا ایک ہی رنگ ہے؛ سیاہ رنگ، جو زندگی کے تمام رنگوں کو اپنے اندر جذب کر لیتا ہے۔ مجھے زندگی کے رنگوں کا شعور بعد میں ہوا۔ میں نے موت کے سیاہ رنگ کا شعور پہلے حاصل کیا"۔(۱۲)

وقت کی چکی: جندر کا پاٹ وقت کی علامت ہے جو انسان کو گھن کی طرح پیستا رہتا ہے۔ یہ عمل تھاناٹوس کے اس مسلسل عمل کی طرف اشارہ کرتا ہے جو پیدائش کے پہلے لمحے سے ہی شروع ہو جاتا ہے۔ خاموشی کا انتظار: ولی خان کا ۴۵ دن تک جندر کے خاموش رہنے پر اپنی موت کا یقین کر لینا اس بات کا ثبوت ہے کہ اس کی داخلی نفسیاتی گھڑی خارجی دنیا کے ساتھ ہم آہنگ ہو چکی ہے۔ ناول "جندر" میں اختر رضا سلیمی نے ایک بہت ہی اہم نفسیاتی نکتے کی طرف اشارہ کیا ہے جسے "ثقافتی نرگسیت" (Cultural Narcissism) کہا گیا ہے۔ نرگسیت (Narcissism) عام طور پر خود پسندی اور اپنی ذات سے حد سے زیادہ محبت کو کہتے ہیں، لیکن یہاں یہ اصطلاح ایک گروہی اور تہذیبی تناظر میں آئی ہے۔ ولی خان کا جندر سے لگاؤ محض ایک مادی چیز کی محبت نہیں بلکہ وہ اس تہذیب کا نمایندہ ہے جو مٹ رہی ہے۔ جب وہ دیکھتا ہے کہ نئی نسل (جس کی نمائندگی اس کا بیٹا راحیل کرتا ہے) جندر کو ایک بوجھ اور

غیر ضروری شے سمجھتی ہے، تو وہ اسے اپنی ذات کی توہین اور اپنے وجود کا خاتمہ محسوس کرتا ہے۔ فرائڈ کے مطابق، جب کسی فرد کی انا کو اس کے نظریات یا تہذیب کے حوالے سے خطرہ محسوس ہوتا ہے، تو وہ مزید تنہائی (Withdrawal) کا شکار ہو جاتا ہے۔ ولی خان کا معاشرے سے کٹ جانا اس کی اسی نفسیاتی دفاعی حکمتِ عملی کا نتیجہ ہے کہ وہ اپنی "تہذیبی انا" کو بچانے کے لیے خود کو ایک محدود دائرے میں قید کر لیتا ہے۔ **ابنِ احمد** کے تجزیے کے مطابق،

> "جندر ایک غیر معمولی ناول ہے جو قاری کو سحر زدہ رکھتا ہے۔ اس کا غالب آہنگ جذباتی اور تہذیب کے زوال کا نوحہ ہے۔ ولی خان کا کردار روایتی معنوں میں کوئی ایسا ہیرو نہیں ہے جو مروجہ مشینی نظام کو شکست دے سکے، بلکہ وہ مٹی کا وفادار ایک ایسا سچا کردار ہے جو تمدنی تبدیلیوں کے سامنے ڈٹ جاتا ہے۔"(۱۳)

ولی خان کا اپنی تہذیب اور جندر سے شدید لگاؤ اسے اس مغالطے میں مبتلا کر دیتا ہے کہ کائنات کا محور وہی اور اس کی پن چکی ہے۔ یہ نرگسیت منفی خود پسندی نہیں ہے، بلکہ ایک مٹتی ہوئی تہذیب کے آخری سپاہی کا وہ فخر ہے جو اسے مرنے سے پہلے اپنی اہمیت کا احساس دلاتا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ، ماہرینِ نفسیات نے اس ناول میں "مقام سے جذباتی وابستگی" (Place Attachment) کا گہرا مطالعہ کیا ہے۔ ولی خان کے لیے جندر محض ایک جگہ نہیں، بلکہ ایک "نفسیاتی پناہ گاہ" ہے۔ جب اس جگہ کا تقدس پامال ہوتا ہے یا وہ ختم ہوتی ہے، تو فرد کو "جذباتی ٹوٹ پھوٹ" کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ ولی خان کے اندر پیدا ہونے والے مختلف نفسیاتی عارضے جیسے کہ شیزوفرینیا کے ابتدائی اثرات، انگزائٹی (Anxiety) اور آئیڈیلیزم (Idealism) دراصل اسی مقام سے دوری یا اس کے خاتمے کا نتیجہ ہیں۔ امینہ سید، شمیلہ جبین اور عامر بشیر ان محققین نے ماحولیاتی نفسیات (Environmental Psychology) کے تحت ولی خان کے باطنی کرب کا جائزہ لیا ہے۔ ان کی رائے میں،

> " ولی خان "مقام سے جذباتی وابستگی" (Place Attachment) کے باعث شدید اعصابی اذیتی رویوں، شدید اینگزائٹی اور شیزوفرینیا (Schizophrenia) جیسے نفسیاتی عوارض کا شکار ہے، کیونکہ وہ دنیاوی رشتوں کو چھوڑ کر جندر کے سحر کا ابدی قیدی بن چکا ہے۔"(۱۴)

فرائڈ کی کتاب "The Interpretation of Dreams" نفسیاتی ادب کی بنیاد سمجھی جاتی ہے، جس میں اس نے بتایا کہ خواب لاشعور کی دبی ہوئی خواہشات کا علامتی اظہار ہوتے ہیں۔ اگرچہ "جندر" ایک حقیقت پسندانہ اسلوب میں لکھا گیا ہے، لیکن ولی خان کی پوری کیفیت ایک "جاگتے خواب" جیسی ہے۔ ولی خان اپنی موت کے بستر پر جن یادوں کو دہراتا ہے، وہ کسی فلم کے مناظر کی طرح اس کی آنکھوں کے سامنے گھومتی ہیں۔ یہ یادیں "تکثیف" (Condensation) اور "تبدیلیِ مقام" (Displacement) کے مراحل سے گزر کر ایک نیا علامتی روپ دھار لیتی ہیں۔ مثال کے طور پر، ندی کا بہتا ہوا پانی اس کے لیے وقت کی رو بھی ہے اور اس کے باپ کی موت کا گواہ بھی۔ جندر کی کوک اس کے لیے ماں کی آواز بھی ہے اور ایک ختم ہوتی ہوئی دعا بھی۔ فرائڈ کے نزدیک، خوابوں میں وقت اور مکان کی قید ختم ہو جاتی ہے، اور ولی خان کے لاشعور میں بھی ماضی، حال اور مستقبل ایک نقطے پر جمع ہو گئے ہیں

۔اس حوالے سے ایک اہم نکتہ یہ بھی ہے کہ ولی خان کو اکثر ایسا محسوس ہوتا ہے کہ وہ مستقبل میں ہونے والے واقعات کو پہلے سے دیکھ رہا ہے یا محسوس کر رہا ہے۔ یہ کیفیت "کلیکٹو ان کونشش" (Collective Unconscious) کے قریب ہے، جہاں فرد اپنے اسلاف کے تجربات اور کائناتی سچائیوں سے لاشعوری طور پر جڑا ہوتا ہے۔ اختر رضا سلیمی نے اس نفسیاتی گتھی کو بہت مہارت سے سلجھایا ہے کہ کس طرح ایک تنہا شخص اپنے ذہن کی گہرائیوں میں پوری کائنات کا سفر کر سکتا ہے۔ حامد محمود اور ڈاکٹر صائمہ نذیر انھوں نے اپنے تحقیقی جائزے میں "جندر" کا تقابلی مطالعہ معاصر ناولوں (جیسے پیلی بارش) کے ساتھ پیش کرتے ہوئے لکھا ہے:

> "اختر رضا سلیمی نے تکنیک، علامت نگاری اور فلیش بیک (ماضی پسندی) کے تجربات کے ذریعے کہانی کو روایتی پھیلاؤ دینے کے بجائے بے حد کسا ہوا اور جاندار رکھا ہے۔"(۱۵)

ولی خان اور حاجرہ کو صنفی نفسیات اور رشتوں کا جبر فرائڈی تحلیل نفسی میں صنفی تعلقات اور جنسی جبلت (Libido) کو کلیدی اہمیت حاصل ہے۔ "جندر" میں ولی خان اور اس کی بیوی حاجرہ کا رشتہ بھی ایک دلچسپ نفسیاتی مطالعہ پیش کرتا ہے۔ حاجرہ ایک پڑھی لکھی اور سمجھدار عورت ہے جو ولی خان کو اس کی "آزاد فطرت" کی وجہ سے پسند کرتی تھی۔ لیکن شادی کے بعد اسے احساس ہوتا ہے کہ ولی خان کی یہ آزادی دراصل ایک قسم کی "داخلی قید" ہے۔ وہ جندر کا غلام ہے اور اس کی تمام تر نفسیاتی توانائی (Energy) انسانوں کے بجائے ایک بے جان چیز پر صرف ہو رہی ہے۔ فرائڈ کے مطابق، جب انسان اپنی محبت (Libido) کو کسی ایک شے پر حد سے زیادہ مرکوز کر دیتا ہے، تو اسے "کیتھیسس" (Cathexis) کہتے ہیں۔ ولی خان نے اپنی تمام تر جذباتی سرمایہ کاری جندر پر کر دی تھی، جس کی وجہ سے وہ حاجرہ کو وہ وقت اور توجہ نہ دے سکا جس کی وہ مستحق تھی۔

> "Cathexis is a psychoanalytic term for the process of investing mental or emotional energy into a person, object, or idea. Coined by James Strachey, the translator of Sigmund Freud's works, to represent the German term Besetzung, it refers to the "holding" or concentration of psychic energy, often described as an emotional attachment or investment. (16)

جدید نفسیات میں "ماحولیاتی نفسیات" (Environmental Psychology) ایک اہم شاخ ہے جو انسان اور اس کے ارد گرد کے ماحول کے درمیان تعلق کو واضح کرتی ہے۔ "جندر" میں ولی خان کا جندر سے تعلق اسی فریم ورک کے تحت سمجھا جا سکتا ہے۔ولی خان کا جندر ندی کے کنارے ایک الگ تھلگ جگہ پر واقع ہے ۔ یہ جگہ اس کے لیے ایک "نفسیاتی پناہ گاہ" (Psychological Sanctuary) ہے جہاں وہ معاشرے کے شور اور تبدیلیوں سے محفوظ رہتا ہے۔ فرائڈ نے اس قسم کی تنہائی پسندی کو "نارسیسٹک وِڈراول" (Narcissistic Withdrawal) سے تعبیر کیا ہے، جہاں فرد بیرونی دنیا کے تلخ حقائق سے بچنے کے لیے اپنی ایک چھوٹی سی دنیا بسا لیتا ہے۔ جب بجلی کی چکیوں کی وجہ سے لوگ اس کے پاس آنا چھوڑ دیتے ہیں، تو اس کا یہ "مقدس مقام" ٹوٹنے لگتا ہے، جس سے اس کے اندر ایک شدید "نفسیاتی صدمہ" پیدا ہوتا ہے۔ یہ صورتحال اسے schizophrenia جیسی کیفیت کی طرف لے جاتی ہے جہاں اسے خاموشی میں بھی جندر کی کوک سنائی دیتی رہتی ہے۔ڈاکٹر امجد خان نے ناول کو؛

"معدوم اور مٹتی ہوئی تہذیب کی ایک گہری مرثیہ نگاری (نوحہ) کے طور پر پرکھا ہے جس میں مشینی دور کی بے رحمی کو نمایاں کیا گیا ہے۔"(۱۷)

سگمنڈ فرائڈ نے کہا تھا کہ "ہر زندگی کا مقصد موت ہے"۔ اختر رضا سلیمی کے ناول کا اختتام ولی خان کی اسی سچائی تک پہنچنے کا نام ہے۔ ناول کا یہ جملہ انتہائی معنی خیز ہے کہ "میرا پہلا سانس اپنی موت کی طرف میرا پہلا قدم تھا"۔ یہ شعور اس وقت بیدار ہوتا ہے جب انسان کی انا (Ego) اپنی تمام تر دفاعی دیواریں گرا دیتی ہے اور لاشعور کا سچ سامنے آجاتا ہے۔ ولی خان کی موت محض ایک فرد کا خاتمہ نہیں بلکہ اس پوری "نفسیاتی کائنات" کا خاتمہ ہے جو اس نے جندر کے گرد تخلیق کی تھی۔ فرائڈ کے نزدیک، موت ایک ایسی حالت ہے جہاں تمام تناؤ (Tensions) ختم ہو جاتے ہیں۔ ولی خان کا آخری لمحہ اس کے لیے اسی دائمی سکون کا لمحہ ہے، جہاں جندر کی کوک خاموشی میں بدل جاتی ہے اور وہ اپنی ماں کے اس لاشعوری لمس کو پانے میں کامیاب ہو جاتا ہے جس کی تلاش میں اس نے پوری زندگی گزار دی تھی۔

"ایسی صورت میں میری لاش یقیناً گل سڑ چکی ہو گی اور کیڑے مکوڑے اور چونٹیاں، جن کا رزق کی تلاش میں آنا جانا ویسے بھی یہاں لگا رہتا تھا، میری ہڈیوں پر موجود ماس، جو گزشتہ پینتالیس دنوں میں، خالی گھومتے جندر کی کوک کی شدت نے، ان کی آسانی کے لیے، میری ہڈیوں سے علاحدہ کر دیا ہے، اپنا رزق بنا چکی ہوں گی۔ میں اگرچہ اس بارے میں یقین سے کچھ نہیں کہہ سکتا مگر زیادہ امکان اس بات کا ہے کہ وہ اس کام کا آغاز میرے چہرے سے کریں گی کہ سردی کی وجہ سے مرتے ہوئے بھی میرا باقی جسم اسی طرح رضائی میں لینا ہو گا اور یہ نقاہت؛ جس کا آغاز تو کئی دن پہلے ہی ہو چکا تھا مگر گزشتہ شام سے اس میں کچھ زیادہ ہی تیزی آگئی ہے، مجھے اس قابل نہیں چھوڑے گی کہ آخری وقت میں ہمیں ٹانگوں یا جسم کے کسی دوسرے حصے پر سے رضائی کھسکا سکوں۔ زیادہ قرین قیاس بات تو یہ ہے کہ وہ مجھے نوچ کر لے جانے کا آغاز میری آنکھوں کے سفید حصے سے کریں گی، جو اس وقت تک مزید سفید ہو چکا ہو گا۔ پہلے مرحلے میں آنے والی چیونٹیوں کی ٹولی، رضائی میں لیٹے میرے دھڑ پر سے سفر کرتی ہوئی جب زرد ہو چکے میرے چہرے تک پہنچے گی تو اسے میری سفید آنکھیں آنے کے مانند لگیں گی۔ ٹولی میں موجود چیونٹیاں پہلے تو اپنے اپنے چھ پیروں میں سے دو درمیانے پیروں کو

مضبوطی سے جما کر کھڑی ہو جائیں گی پھر اگلے دو پیروں کو حرکت میں لا کر میری آنکھوں کا ماس کھودنے اور پچھلے دو پیروں کے ذریعے اسے ایک طرف ہٹانے کی کوشش کریں گی، لیکن تھوڑی ہی دیر کی محنت مشقت کے بعد انھیں اندازہ ہو جائے گا کہ انھیں کھودنے کی کوششیں بے کار ہیں۔ پھر وہ اپنے پیروں کے بجائے اپنے سر پر لگی "زندہ قینچی کو عمل میں لا کر انھیں کترنا شروع کر دیں گی۔ اسی دوران میں وہ ایک نامعلوم مواصلاتی رابطے کے ذریعے زیر زمین، اپنے تاریک گھروں میں موجود، باقی ساتھیوں کو بھی فوراً آگاہ کر دیں گی اور اطلاع پاتے ہی وہاں موجود بے شمار چیونٹیاں، گھروں کے برآمدوں میں بے حس و حرکت لکی اپنی اپنی ٹوکریوں کی طرف دوڑ پڑیں گی اور اس وقت تک اپنی نوکیلی مونچھوں کے ذریعے، انھیں بار بار چھوتی رہیں گی جب تک وہ زندہ ہو کر حرکت نہ کرنے لگیں۔ جوں ہی ٹوکریاں حرکت کریں گی ان کے جبڑے کھل جائیں گے اور ان کے لیوں سے اس کے قطرے ٹپکنا شروع ہو جائیں گے ہر چیونٹی اپنی اپنی ٹوکری کا رس چاہتے ہی تازہ دم ہو کر مزدوری کرنے میری طرف چل پڑے گی اوران کا یہاں آنا جانا اس وقت تک لگا رہے گا جب تک میرے چہرے پر ماس کا ایک بھی ریشہ باقی ہے۔ سانپ، چھپکلیاں، لال بیگ اور دوسرے کیڑے مکوڑے بھی اس سلسلے میں ان کا ہاتھ بٹائیں گے لیکن ان میں سے بیشتر ایسے ہوں گے جنھیں میرے باسی گوشت سے زیادہ ان زندہ چیونٹیوں سے دلچسپی ہو گی۔ ہاں جب کوئی کیڑا مکوڑا کسی اجنبی جنس کے کیڑے مکوڑے کو جا دبوچے گا تو چیونٹیوں کے ہاتھ بھی کچھ تازہ گوشت لگ ہی جائے گا اور وہ میرے جسم کو چھوڑ کر اس کی لاش پر پل پڑیں گی۔ ان میں سے کچھ چیونٹیاں میرے کھلے ہوئے منہ کے رستے پیٹ کی طرف اور کچھ نتھنوں کے ذریعے دماغ کی طرف سفر کریں گی اور میرے دماغ کے پیچیدہ تانے بانے کو جنھیں بابا جمال دین کی سنائی ہوئی لوک داستانوں اور کتابوں میں پڑھی ہوئی کہانیوں نے اور بھی پیچید دبنا دیا ہے، یوں ادھیڑ کر رکھ دیں گی جیسے ہاتھوں سے بھی

سویٹر کو (18) ایک دھاگا کھینچ کر آسانی سے ادھیڑ لیا جاتا
ہے۔"(۱۸)

فرائیڈ کے نزدیک موت کا خوف دراصل زندگی کی جبلتوں کی ناآسودگی کا نتیجہ ہوتا ہے۔ لیکن ولی خان کا رویہ مختلف ہے۔ وہ کہتا ہے کہ "موت کہیں باہر سے وارد نہیں ہوتی، وہ زندگی کی سرشت میں شامل ہوتی ہے" ۔ یہ جملہ فرائیڈ کے 'تھینا ٹوس' (Thanatos) کے تصور کی مکمل ترجمانی کرتا ہے، جہاں موت زندگی کے آغاز سے ہی اس کے اندر پرورش پاتی ہے۔ ولی خان کی زندگی میں جب "تخلیقی توانائی" (Libido) ختم ہو جاتی ہے، تو موت اسے اپنا ہم سفر لگنے لگتی ہے۔ ناول کے آخر میں ولی خان کا وہ شخص بننا جو اپنی لاش دریافت ہونے کا انتظار کر رہا ہے، دراصل اس کی اس خواہش کی عکاسی کرتا ہے کہ وہ مرنے کے بعد بھی دوسروں کی توجہ کا مرکز رہے۔ یہ نرگسیت کا وہ آخری مرحلہ ہے جہاں فرد اپنی موت کو بھی ایک تماشہ یا ایک اہم واقعہ بنانا چاہتا ہے۔ اقبال خورشید کے مطابق:

"جندر" بنیادی طور پر تنہائی، طویل انتظار اور موت کا ناول ہے۔
یہ ولی خان اور ایک بے جان جندر کے درمیان غیر فطری لیکن
گہری محبت کو کامیابی سے الفاظ کا جامہ پہناتا ہے۔(۱۹)

ناول "جندر" کا بنیادی ستون تنہائی ہے۔ ولی خان کی تنہائی محض ظاہری نہیں بلکہ اس کا "وجودی کرب" ہے۔ وہ لوگوں کے درمیان رہ کر بھی اکیلا ہے کیونکہ اس کا لاشعوری رابطہ اس دنیا سے ٹوٹ چکا ہے جو اب موجود نہیں ہے۔ اس کی تنہائی اسے "خطِ عظمت" یا "خود اذیتی" کی طرف لے جاتی ہے۔ وہ اپنے بستر مرگ پر بیٹھ کر جس طرح ۴۵ دنوں کا حساب کرتا ہے، وہ اس کی اس ذہنی کیفیت کو ظاہر کرتا ہے جہاں وقت کی لکیری ترتیب ختم ہو چکی ہے اور وہ ایک "دائروی وقت" (Circular Time) میں قید ہو گیا ہے۔ حاجرہ کی تنہائی ولی خان سے مختلف ہے۔ وہ اپنی تنہائی کو ایک "خلوت" میں بدل دیتی ہے جہاں وہ تخلیقی طور پر زندہ ہے۔ یہ فرق ظاہر کرتا ہے کہ نفسیاتی طور پر ایک صحت مند شخصیت اپنی محرومیوں کو کس طرح مثبت رخ دے سکتی ہے، جب کہ ایک کمزور انا ماضی کے ملبے تلے دب جاتی ہے۔ عنبرین فاطمہ کے مطابق :

"یہ ناول ولی خان کے باطنی خلوت اور اس کے فلسفیانہ تفکر کا نوحہ
ہے، جہاں تنہائی اور خلوت پسندی انسانی روح کو جلا بخشتی
ہے۔"(۲۰)

ناول "جندر" کی لسانی خوبی یہ ہے کہ اس نے نفسیاتی الجھنوں کو بیان کرنے کے لیے ایک بہت ہی سادہ لیکن پر اثر زبان کا استعمال کیا ہے۔ اختر رضا سلیمی نے واحد متکلم (First Person) کا صیغہ استعمال کر کے قاری کو ولی خان کے لاشعور کا ہمسفر بنا دیا ہے ۔ جملوں کی تکرار، خاص طور پر جندر کی آواز اور موت کے تذکرے کے حوالے سے، فرائڈ کے "کمپلشن ٹو ریپیٹ" (Repetition Compulsion) کے نظریے کی عکاسی کرتی ہے، جہاں فرد اپنے صدمے کو بار بار دہرا کر اس پر قابو پانے کی کوشش کرتا ہے۔ ناول کے مختصر ابواب ولی خان کے بکھرے ہوئے شعور کی نمائندگی کرتے ہیں۔ ہر باب ایک ایسی یاد یا احساس کو کھولتا ہے جو اس کے ماضی سے جڑا ہوا ہے۔ یہ اسلوب فرائڈ کے "فری ایسوسی ایشن" (Free Association) کے طریقے سے مشابہ ہے، جہاں مریض کے ذہن میں آنے والے خیالات کو کسی ترتیب کے بغیر بیان کیا جاتا ہے تاکہ اس کے لاشعور تک رسائی حاصل کی جا سکے۔ سلیمی نے اس

تکنیک کو فکشن میں اس طرح سمو دیا ہے کہ قاری کو یہ محسوس ہی نہیں ہوتا کہ وہ ایک نفسیاتی کیس ہسٹری پڑھ رہا ہے، بلکہ وہ اس جندر کی گونج میں خود کو بھی پیستا ہوا محسوس کرتا ہے۔

اختر رضا سلیمی کا ناول "جندر" اُردو ادب میں اپنی نوعیت کا ایک منفرد تجربہ ہے جو سگمنڈ فرائڈ کے نظریات کی عملی تفسیر پیش کرتا ہے۔ یہ ناول ہمیں بتاتا ہے کہ انسان صرف وہی نہیں جو وہ ظاہر کرتا ہے، بلکہ اس کے وجود کی اصل بنیادیں اس کے لاشعور، اس کے بچپن کے صدمات اور اس کی ان جبلتوں میں چھپی ہوتی ہیں جنہیں وہ خود بھی پوری طرح نہیں سمجھ پاتا۔ ولی خان کا کردار ہمیں سکھاتا ہے کہ کس طرح ایک مٹتی ہوئی تہذیب اور ایک مرتی ہوئی روایت انسان کے اندر ایک دائمی خلا پیدا کر سکتی ہے جسے بھرنا ناممکن ہوتا ہے۔ محمد وسیم شاہد کے خیال میں:

> "یہ ناول انسان کے دنیا میں قدم رکھنے سے لے کر آخرت تک کی ایک ابدی کہانی ("ازل سے ابد تک کی کہانی") ہے۔ جندر کے دو پاٹ دراصل انسانی رشتوں اور جوڑوں کی علامت ہیں جو ساتھ گھومتے ہیں لیکن پامال ہونے کے خوف سے ایک دوسرے میں ضم نہیں ہو پاتے۔"(۲۱)

اس مطالعے سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ "جندر" محض ایک کہانی نہیں بلکہ ایک ایسی نفسیاتی دستاویز ہے جو انسانی ذہن، مقام سے وابستگی، اور موت کے فلسفے کو ایک نئے زاویے سے دیکھنے کی دعوت دیتی ہے۔ فرائڈ کے تصورات کی روشنی میں ولی خان کی زندگی اور موت کا سفر دراصل ہر اس انسان کا سفر ہے جو اپنی جڑوں کی تلاش میں سرگرداں ہے اور وقت کی بے رحم چکی میں پس رہا ہے ۔ سلیمی نے اس ناول کے ذریعے اُردو فکشن کو ایک ایسا آئینہ عطا کیا ہے جس میں ہم اپنے لاشعور کی چھپی ہوئی صورتیں دیکھ سکتے ہیں۔

موجودہ دور میں جب اُردو فکشن تیزی سے بدل رہا ہے، "جندر" جیسے ناولوں کی اہمیت مزید بڑھ جاتی ہے کیونکہ یہ ہمیں سطحیت سے نکال کر گہرائی کی طرف لے جاتے ہیں۔ فرائڈ کے نظریات آج بھی اتنے ہی معتبر ہیں جتنے سو سال پہلے تھے، کیونکہ انسانی فطرت اور اس کی بنیادی جبلتیں نہیں بدلیں۔ اختر رضا سلیمی نے ان قدیم سچائیوں کو ایک مقامی اور تہذیبی رنگ دے کر عالمی ادب کے معیار تک پہنچا دیا ہے۔ اس پورے تجزیے کا خلاصہ یہ ہے کہ "جندر" میں ولی خان کی موت دراصل اس کی انا (Ego) کی اس دنیا (جندر) میں واپسی ہے جہاں اسے سکون ملتا ہے۔ یہ لاشعور کی فتح ہے اور شعور کی اس جنگ کا خاتمہ ہے جو اس نے پوری زندگی لڑی۔ فرائڈی تناظر میں یہ ناول انسانی وجود کی اس معراج کو چھوتا ہے جہاں زندگی اور موت، لا اور فوق الانا، اور حقیقت و خواب سب ایک دوسرے میں مدغم ہو جاتے ہیں۔ سلیمی کا یہ شاہکار ہمیشہ اُردو ادب میں ایک ایسی تحریر کے طور پر یاد رکھا جائے گا جس نے انسانی روح کی پکار کو "جندر کی کوک" میں بدل دیا ہے

ناول "جندر" کے کرداروں کا نفسیاتی نقشہ فرائڈی نظریات کی روشنی میں ایک ایسی دنیا کو بے نقاب کرتا ہے جہاں ہر فرد اپنی جبلتوں اور سماجی ضوابط کے درمیان توازن تلاش کرنے کی ناکام کوشش کر رہا ہے۔ ولی خان 'لا' (Id) کی بے لگام خواہشات اور ماضی کے صدمات کا اسیر ہے، جبکہ حاجرہ 'انا' (Ego) کی فعالیت کے ذریعے حال میں جینے کی کوشش کرتی ہے۔ بابا جمال الدین 'فوقِ انا' (Superego) کے محافظ ہیں، اور دیوانہ لاشعور کی ان تاریک گہرائیوں کا نمائندہ ہے جنہیں ہم اکثر نظر انداز کر دیتے ہیں۔ اختر رضا سلیمی نے بڑی مہارت سے ان کرداروں کے ذریعے یہ ثابت کیا ہے کہ انسانی رویے محض اتفاقی نہیں ہوتے، بلکہ ان کے پیچھے بچپن کے

صدمات، لاشعوری محرکات اور تہذیبی اقدار کا ایک پیچیدہ جال ہوتا ہے۔ جندر محض غلہ پیسنے کی مشین نہیں، بلکہ وہ انسانی نفسیات کی اس چکی کی علامت ہے جہاں خواہشات اور حقیقتیں آپس میں ٹکرا کر انسانی وجود کو ریزہ ریزہ کر دیتی ہیں۔ یہ ناول قاری کو مجبور کرتا ہے کہ وہ اپنے اندر کے "ولی خان" اور "حاجرہ" کو پہچانے اور یہ دیکھے کہ اس کی اپنی انا کس حد تک ماضی کے "جندروں" میں قید ہے۔ ناول کے اس نفسیاتی تجزیے سے یہ واضح ہوتا ہے کہ اختر رضا سلیمی نے اُردو فکشن کو ایک ایسا شاہکار عطا کیا ہے جو عالمی سطح کے نفسیاتی نثری ادب کے برابر کھڑا کیا جا سکتا ہے، اور جس کے کردار برسوں تک قاری کے ذہن میں اپنے نفسیاتی تلاطم کے ساتھ زندہ رہیں گے۔

حوالہ جات

۱۔ ناصر عباس نیر، قولِ نقل کردہ از: اختر رضا سلیمی، جندر، اسلام آباد، سنگِ میل پبلی کیشنز، ۲۰۱۷ء، ص: ۱۱۷

2. Sigmund Freud, The Ego and the Mechanisms of Defence (London: Hogarth Press, 1936P:58

۳۔ سمیرا اگل، ناول جندر پر ایک نظر، شعبہ جاتی تحقیقی مجلہ ادراک، ۱۷(۲)، ص: ۵۳–۶۲

3. Sigmund Freud, Beyond the Pleasure Principle (International Psychoanalytical Press, 1920, P:25

5. Sigmund Freud, The Ego and the Id (Vienna: Internationaler Psychoanalytischer Verlag, 1923, P:28

۶۔ محمد حمید شاہد، اُردو فکشن کا نیا سفر، ماہنامہ ادبیات، فروری ۲۰۲۴ء، ص: ۱۴۔۱۸

۷۔ اختر رضا سلیمی، جندر، ص: ۲۸

۸۔ سائرہ صدف، ڈاکٹر عظمیٰ شوکت، اختر رضا سلیمی کے ناول 'جندر' میں دیہی ترکِ سکونت کے مباحث"۔ جہانِ تحقیق، جلد ۷، شمارہ ۲، ۲۰۲۴ء، ۱۱۲–۱۲۱

۹۔ علی رفاد فتیحی، اختر رضا سلیمی کا ناول 'جندر' کا بیانیہ"۔ جریدہ سمت / دیدبان، ۲۰۲۴ء، ص: ۳۴

۱۰۔ اختر رضا سلیمی، جندر، ص: ۱۳۵

۱۱۔ محمد سلیم الرحمان، ناول جندر: ایک تجربی مطالعہ، روزنامہ جنگ، ادبی ایڈیشن، ۲۰۱۸ء، ص: ۸

۱۲۔ اختر رضا سلیمی، جندر، ص: ۱۴۸

۱۳، ابنِ احمد، جندر: مٹتی ہوئی تہذیب کا نوحہ، سہ ماہی ادبیات، ۲۰۲۰ء، ص: ۵۳

14. Diagnostic and Statistical Manual of Mental Disorders (DSM-5-TR), American Psychiatric Association,2022, P:301

۱۵۔ حامد محمود اور صائمہ نذیر، اُردو ناول کا ارتقاء اور اختر رضا سلیمی، تحقیقی جائزے، ۲۰۲۴ء، ص: ۵۸

16. James Strachey, Editor's Note on Cathexis, in The Standard Edition of the Complete Psychological Works of Sigmund Freud (London: Hogarth Press, 1953,P: 65

۱۷۔ امجد خان، جندر: مشینی دور کی بے رحمی، اُردو تنقید، ۲۰۲۲ء، ۱۱۷

۱۸۔ اختر رضا سلیمی، جندر، ص: ۱۸۰–۱۸۲

۱۹۔ اقبال خورشید، تنہائی اور انتظار کا بیانیہ، روزنامہ ایکسپریس، ۲۰۱۹ء، ص: ۱۰

۲۰۔ عنبرین فاطمہ، جندر میں خلوت پسندی اور فلسفیانہ تفکر، تحقیقی جرنل، ۲۰۲۶ء، ص: ۵۶

۲۱۔ محمد وسیم شاہد، ازل سے ابد تک: جندر کا ایک مطالعہ، کتاب، ۲۰۲۵ء، ص: ۹۲

۲۲۔ محمد عمران اسحاق، نئی نسل اور روایتی اقدار: جندر کے آئینے میں، ادبی تحقیق، ۲۰۲۶ء، ص: ۱۴۲

References in Roman Script:

1. Nair, Nasir Abbas. Quoted in: Saleemi, Akhtar Raza. Jandar. Islamabad: Sang-e-Meel Publications, 2017, p. 117.
2. Freud, Sigmund. The Ego and the Mechanisms of Defence. London: Hogarth Press, 1936, p. 58.
3. Gul, Sameera. "Novel Jandar Par Ek Nazar." Idraak: Shu'ba Jati Tahqiqi Majallah, 17(2), pp. 53–62.
4. Freud, Sigmund. Beyond the Pleasure Principle. International Psychoanalytical Press, 1920, p. 25.
5. Freud, Sigmund. The Ego and the Id. Vienna: Internationaler Psychoanalytischer Verlag, 1923, p. 28.
6. Shahid, Muhammad Hameed. "Urdu Fiction Ka Naya Safar." Mahnama Adabiyat, February 2024, pp. 14–18.
7. Saleemi, Akhtar Raza. Jandar. Islamabad: Sang-e-Meel Publications, 2017, p. 28.
8. Sadaf, Saira, & Shaukat, Uzma. "Akhtar Raza Saleemi Ke Novel Jandar Mein Dehi Tark-e-Sukoonat Ke Mabahis." Jahan-e-Tahqiq, 7(2), 2024, pp. 112–121.
9. Fatehi, Ali Rifad. "Akhtar Raza Saleemi Ka Novel Jandar Ka Bayania." Jareeda Simt / Deedban, 2024, p. 34.
10. Saleemi, Akhtar Raza. Jandar. Islamabad: Sang-e-Meel Publications, 2017, p. 135.
11. Rahman, Muhammad Saleem. "Novel Jandar: Aik Tajribi Mutala." Roznama Jang (Adabi Edition), 2018, p. 8.
12. Saleemi, Akhtar Raza. Jandar. Islamabad: Sang-e-Meel Publications, 2017, p. 148.
13. Ibn-e-Ahmad. "Jandar: Mitti Hui Tehzeeb Ka Noha." Seh Mahi Adabiyat, 2020, p. 53.
14. American Psychiatric Association. Diagnostic and Statistical Manual of Mental Disorders (DSM-5-TR). Washington, DC: American Psychiatric Association Publishing, 2022, p. 301.
15. Mahmood, Hamid, & Nazir, Saima. "Urdu Novel Ka Irtiqa Aur Akhtar Raza Saleemi." Tahqiqi Jaizay, 2024, p. 58.
16. Strachey, James. "Editor's Note on Cathexis." In The Standard Edition of the Complete Psychological Works of Sigmund Freud. London: Hogarth Press, 1953, p. 65.
17. Khan, Amjad. "Jandar: Mashini Daur Ki Be-Rehmi." Urdu Tanqeed, 2022, p. 117.
18. Saleemi, Akhtar Raza. Jandar. Islamabad: Sang-e-Meel Publications, 2017, pp. 180–182.

19. Khurshid, Iqbal. "Tanhai Aur Intizar Ka Bayania." Roznama Express, 2019, p. 10.
20. Fatima, Ambreen. "Jandar Mein Khalwat Pasandi Aur Falsafiyana Tafakkur." Tahqiqi Journal, 2026, p. 56.
21. Shahid, Muhammad Waseem. Azal Se Abad Tak: Jandar Ka Aik Mutala. 2025, p. 92.
22. Ishaq, Muhammad Imran. "Nai Nasl Aur Riwayati Aqdar: Jandar Ke Aaine Mein." Adabi Tahqiq, 2026, p. 142.